بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ۝ (البقرۃ:۴۱)

''اور میری آیات کو تھوڑی قیمت کے بدلے مت بیچو اور مجھ ہی سے ڈرو۔''

دینداری

یا

دکانداری

رابطہ کیلئے پتہ:

محمد حنیف، پوسٹ بکس نمبر ۷۰۲۸، مسجد توحید، توحید روڈ، کیماڑی، کراچی

فون: 2850510 - 2854484

www.emanekhalis.com

فہرست عنوانات

اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اپنی امت کے بارے میں فرمایا تھا:

لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ ''تم گزشتہ امتوں کی ضرور پوری طرح پیروی اختیار کرو گے۔''

(بخاری:کتاب الاعتصام،باب قول النبی ﷺ لتتبعن............)

یہ پیشین گوئی آج حقیقت کے روپ میں سب کے سامنے ہے،کون سا ایسا کام ہے جو گزشتہ امتوں نے کیا ہو اور اِنہوں نے چھوڑ دیا ہو۔قبر پرستی کی لعنت ہو یا پیروں اور مولویوں کو رب بنانے کا معاملہ،غرض سرکشی و نافرمانی کا کوئی ایسا کام نہیں جو اُنہوں نے اختیار کیا ہو اور اِنہوں نے اُسے ترک کیا ہو۔ بات محض عوام کالانعام کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس امت کے پیر اور مولوی نے گزشتہ امتوں کے پیروں اور مولویوں کی قدرے نہیں بلکہ مکمل طور پر تقلید اور پیروی اختیار کی ہے۔وہ حق اور باطل میں تلبیس کیا کرتے تھے اور اِنہیں بھی یہ کام بے حد مرغوب ہے۔وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور اِن کا گزارا بھی اِس کے بغیر نہیں ہوتا۔اِن کا کام چلتا ہی اس وقت ہے جب یہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک دیں۔اُنہوں نے دینداری کی آڑ میں دکانداری کی تو یہ بھی دین کی آڑ میں اپنی دکان چمکائے ہوئے ہیں۔اور اس معاملے میں تو اِنہوں نے حد ہی کر دی ہے۔پورے دین کو گویا منافع بخش پیداواری صنعت بنا دیا ہے۔اِن کے یہاں نماز بکتی ہے، اِن کے امام اور موذن بغیر اجرت کے یہ امور انجام نہیں دیتے۔قرآن وحدیث کا بیوپار کیا جارہا ہے۔قرآن پڑھنا اور سکھانا ایک پیشہ بن گیا ہے جس کو دنیا کمانے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔مولوی صاحب قرآن کی تعلیم بغیر اجرت لیے نہیں دیتے۔مفتیانِ دین باقاعدہ تنخواہ لیکر فتویٰ دیتے ہیں۔نکاح خوشی کا موقع ہوتا ہے تو قاضی صاحب جب تک نکاح پڑھانے کی زیادہ سے زیادہ اجرت نہ لے لیں ''خوش'' ہی نہیں ہوتے۔بچے کے کان میں اذان دینے کا نذرانہ وصول کیا جاتا ہے۔''**بِسْمِ اللّٰہ**'' اور ''اَلَمْ نَشْرَح'' نامی بدعی رسومات بھی مولوی صاحب کے پیٹ کی آگ بجھانے کے سامان ہیں۔ اور بے شمار معاملات ہیں جو انسانی زندگی کے لیے لازم وملزوم کر دیے گئے ہیں۔مگر افسوس کہ مولوی صاحب مرنے پر بھی اس معاملے کو ختم نہیں ہونے دیتے بلکہ ''کڑوی روٹی''، فاتحہ خوانی سے شروع کر کے تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں اور برسی کی صورت میں میت کے لواحقین سے ''بھتہ'' وصول

کرتے رہتے ہیں کیونکہ مرنے والا مرا ہے مولوی صاحب تو تازہ دم ہیں، یہ تو جیتے جی نہیں مر سکتے، اور جینے کے لیے کھانا اور کمانا ازبس ضروری ہے! قرآن بنی اسرائیل کے علماء کی یہی روش بتاتا ہے کہ وہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے تھے اور انہیں اللہ کے راستے سے بھی روکتے تھے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلْأَحْبَارِ وَٱلرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَٰطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ (التوبة:۳۴)

''اے ایمان والو! اِن مولویوں اور پیروں کی اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کے راستے سے روک دیتے ہیں۔''

آج یہی طرز عمل اِس امت کے پیروں اور مولویوں کا ہے۔ یہ لوگ بھی محولہ بالا آیت کا پوری طرح مصداق بنے ہوئے ہیں۔قرآن وسنت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ورنہ قرآن وحدیث میں دین داری کو دکان داری بنانے کی شدید مذمت آئی ہے۔ اِس امت کے پیر اور مولوی اپنے آپ کو انبیاءعلیہم السلام کا وارث قرار دیتے ہیں درآں حالیکہ جتنے بھی انبیاءعلیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں ہر ایک نے اپنی قوم سے یہی کہا ہے کہ ہم تم سے کسی قسم کا مال ومتاع اور اجرت نہیں مانگتے بلکہ ہمارا اجر تو اللہ رب العالمین کے پاس ہے۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا:

وَيَٰقَوْمِ لَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۖ إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ (هود: ۲۹)

''اے میری قوم میں تم سے اس (دین) پر مال نہیں مانگتا، میرا اجر اللہ کے پاس ہے۔''

ھود علیہ السلام نے فرمایا:

يَٰقَوْمِ لَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَى ٱلَّذِى فَطَرَنِىٓ (هود:۵۱)

''اے میری قوم! میں تم سے اس (دین) پر اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو مجھے پیدا کرنے والے کے ذمے ہے۔''

صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام نے فرمایا:

وَمَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ (الشعراء: ۱۴۵،۱۶۴،۱۸۰)

''اور میں تم سے اس پر اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے پاس ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی حکم دیا کہ

قُلْ مَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدٌ

(سبا:۴۷)

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) کہہ دو کہ میں نے (دین پر) تم سے کچھ اجرت مانگی ہو تو وہ تمہاری، میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔''

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (الانعام: ۹۱)

''(اے نبی ﷺ!) کہدو کہ میں تم سے اس (قرآن) پر اجرت نہیں مانگتا، یہ تو تمام عالم کے لیے نصیحت ہے۔''

انبیاء علیہم السلام کی اتباع کرنے کی بنیادی وجہ من جانب اللہ مامور ہونے کے علاوہ یہ بھی ہے کہ وہ دین پر قوم سے کسی بھی قسم کے اجر کے طلبگار نہیں ہوتے اور ہدایت یافتہ ہوتے ہیں:

اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (یٰسٓ: ۲۱)

''رسولوں کی اتباع کرو جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے اور جو ہدایت یافتہ ہیں۔''

قرآن سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا طرز عمل یہی رہا ہے کہ انہوں نے دین پر دنیا والوں سے کسی بھی قسم کا اجر، مال، ہدیہ طلب یا وصول نہیں کیا ہے۔ بلکہ وہ تمام کے تمام اللہ ہی سے اجر کے طالب رہے۔

قرآن کے حوالے سے کی گئی ان گزارشات پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ و اشاعت دین پر اجرت نہیں لیتے تھے تو ان کا گزربسر کس طرح ہوا کرتا تھا۔ قرآن وسنت کے بیان پر اس قسم کے اعتراض و اشکال عائد کرنے والے دراصل ایمان و انابت کی صفات سے قطعاً عاری ہیں ورنہ ان کا ایمان تو یہ ہونا چاہیے کہ قرآن وسنت کی تمام باتیں حق ہیں۔ قرآن میں آ گیا کہ انبیاء علیہم السلام نے دین پر دنیا والوں سے کسی بھی قسم کا اجر نہیں لیا تو ایمانداروں کے لیے بس یہی کافی ہے، پھر وہ اس کھوج میں نہیں رہتے کہ انبیاء علیہم السلام کہاں سے کھاتے تھے اور کس طرح گزربسر کیا کرتے تھے۔ یہ تو ہے ایمان والوں کی شان، رہے وہ لوگ جن کا دین سے تعلق محض دنیا کمانے کا ہے وہ ضرور اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ احادیث میں ان کے اس اشکال کا بھی بڑا ہی واضح جواب موجود ہے۔ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام جن کو اللہ نے حکومت و اقتدار سے نوازا تھا وہ اپنی تمام تر شان وشوکت کے باوجود اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی کمایا کرتے تھے:

اِنَّ دَاوٗدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَاْكُلُ اِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ

(بخاری: کتاب البیوع، باب کسب الرجل عملِه بیده)

''اللہ کے نبی داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی حاصل کرتے تھے۔''

زکریا علیہ السلام اپنی معاش بڑھئی کا کام کر کے حاصل کرتے تھے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

كَانَ زَكَرِيَّا نَجَّارًا ''زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔''

(مسلم: کتاب الفضائل، باب فضائل زکریا علیہ السلام)

انبیاء علیہم السلام کے معاش کے متعلق نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی پیش نظر رہے کہ

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا رَعَى الْغَنَمَ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ وَ اَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَرْعَاهَاعَلٰى قَرَارِ يْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ

(بخاری: کتاب الاجارۃ، باب رعی الغنم علی قراریط)

''نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا اور آپ نے بھی؟ فرمایا کہ ہاں، میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط کی اجرت پر چرایا کرتا تھا''

یہ تھا انبیاء علیہم السلام کا طرز عمل جنھوں نے دنیا والوں سے دین پر کسی بھی قسم کی کوئی اجرت نہیں لی بلکہ وہ اپنی معاش اپنے ہاتھوں سے کسب کر کے حاصل کرتے تھے۔تو پھر یہ کیسے ورثۃ الانبیاء ہیں جو دین کے ایک ایک کام پر اجرت، نذرانے اور وظیفے وصول کرتے ہیں۔

قرآن وحدیث نے دینداری کو دکانداری بنانے سے بڑی شدت سے روکا ہے۔سب سے پہلے قرآن ملاحظہ ہو:

القران

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡوَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ۝ (البقرۃ: ۴۱)

''اور میری آیات کو تھوڑی قیمت کے بدلے مت بیچو اور مجھ ہی سے ڈرو۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (البقرۃ: ۱۷۴)

''جو لوگ ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہیں اور اس کے عوض کچھ (دنیوی) مفادات حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں، ایسے لوگوں سے اللہ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

اہل کتاب میں سے کچھ علم والے جو نبی برحق ﷺ پر ایمان لے آئے تھے ان کی اس امتیازی صفت کا قرآن میں خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے:

خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ (آل عمران: ۱۹۹)

''(وہ لوگ) اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت پر نہیں بیچ دیتے''

واضح کیا گیا کہ اللہ سے ڈرنے والے خوف وخشیت کے حامل علم والوں کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ دینی کام کی اجرت کے طلبگار نہیں ہوا کرتے۔

قرآن کی ان واضح آیات کے علی الرغم دین کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنایا گیا۔طُرفہ تماشہ یہ ہے کہ دینی امور پر اجرت وصول کرنے کے باوجود یہ سب سے زیادہ دیندار، پرہیزگار اور متقی

سمجھے جاتے ہیں۔ دین کو دکانداری بناڈالنے والے قرآن کے احکامات کو اچھی طرح جانتے ہیں مگر فن دینداری کے تحت تاویلات وتوجیہات کے ذریعہ انہیں گزشتہ امت کے لیے مخصوص کرتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل کا طرز عمل تھا، انہیں اس سے روکا گیا تھا۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ قرآن کے ذریعہ جس روش سے روکا جائے اور جس چیز کی شناعت بیان کی جائے اس کو صرف اور صرف گزشتہ اقوام ہی کے لیے مخصوص کر دیا جائے! قرآن میں جن چیزوں سے روکا گیا ہے تو کیا حاملین قرآن ان چیزوں اوران احکامات کی پابندیوں سے مبراء ہیں؟ اور کیا قرآن میں لگائی گئی بندشوں سے یہ حاملین قرآن قطعاً آزاد ہیں؟ قرآن کی آیت ''اللہ کی آیات کو مت بیچو'' میں لگائی گئی پابندی کو بنی اسرائیل تک محدود کر دینا قطعاً بے جواز ہے اور اپنی دکانداری کو قائم رکھنے کا محض حیلہ! ان ماہرین فن کے لیے زیرنظر حدیث ایک تازیانہ ہے، اگر یہ محسوس کرلیں۔ ملاحظہ ہو:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَاْخُذَ اُمَّتِیْ بِاَخْذِ الْقُرُوْنِ قَبْلَهَا شِبْرًا بِشِبْرٍ وَّ ذِرَاعاً بِذِرَاعٍ فَقِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَفَارِسَ وَالرُّوْمِ فَقَالَ وَمَنِ النَّاسُ اِلَّا اُولٰئِکَ (صحیح بخاری: کتاب الاعتصام، باب قول النبی ﷺ لتتبعن.....)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت اس طرح پچھلی امتوں کے مطابق نہیں ہوجائے گی جس طرح بالشت بالشت کے اور گزگز کے ہوتا ہے۔ پوچھا گیا یارسول اللہ ﷺ! کیا فارس وروم کی طرح؟ فرمایا کہ ان کے سوا اور کون۔

قرآن سے واضح ہوگیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے دین پر کسی قسم کی اجرت اور مال طلب نہیں کیا، نہ ہی ھدیہ وصول کیا اور یہ بھی واضح ہوا کہ " مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ "کو دکانداری بنانے سے سختی سے روک دیا گیا ہے۔

حدیث کی تعلیمات بھی یہی ہیں:

حدیث

(۱) عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اِقْرَءُوْا الْقُرْاٰنَ وَلَا تَغْلُوْا فِیْهِ وَلَا تَجْفُوْا عَنْهُ وَلَا تَاْكُلُوْا بِهٖ وَلَا تَسْتَكْثِرُوْا بِهٖ ا

(مسند احمد: جلد ۵، صفحہ ۴۴۴)

''قرآن پڑھو اور اس میں غلو نہ کرو اور اس سے اعراض نہ کرو، اس کو ذریعۂ معاش نہ بناؤ اور نہ ہی اس سے بہت سے دنیاوی فوائد حاصل کرو''

(۲)عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ عَلَّمْتُ نَاسًا مِّنْ اَهْلِ الصُّفَّةِ الْقُرْاٰنَ وَالْكِتَابَ فَاَهْدٰی اِلَیَّ رَجُلٌ مِنْهُمْ قَوْسًا فَقُلْتُ لَیْسَتْ بِمَالٍ وَّاَرْمِی عَلَیْهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَاٰتِیَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَلَاَسْئَلَنَّهُ فَاَتَیْتُهُ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَجُلٌ اَهْدٰی ا

اِلَیَّ قَوْسًا مِمَّنْ کُنْتُ اُعَلِّمُهُ الْکِتَابَ وَالْقُرْاٰنَ وَ لَیْسَتْ بِمَالٍ وَاَرْمِی عَنْهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی قَالَ اِنْ کُنْتَ تُحِبُّ اَنْ تُطَوَّقَ طَوْقًا مِّنْ نَارٍ فَاقْبِلْهَا

(سنن ابی داؤد:کتاب الاجارة، باب فی کسب المعلم)

عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے چندلوگوں کوقرآن پڑھایا اور لکھنا سکھایا تو ان میں سے ایک شخص نے مجھ کوایک کمان تحفے میں دی۔ میں نے خیال کیا یہ کوئی مال تو ہے نہیں، میں اللہ کی راہ میں اس سے تیر چلاؤں گا، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤں گا اور آپ ﷺ سے پوچھوں گا۔تو میں آپ ﷺ کے پاس آیااور عرض کیا یارسول اللہ ایک شخص نے جسے میں نے قرآن پڑھایااور لکھنا سکھایا تھا، مجھے ایک کمان تحفہ میں دی ہے اور یہ کوئی مال تو ہے نہیں، میں اس سے اللہ کی راہ میں تیر چلاؤں گا۔آپ ﷺ نے فرمایا،''اگرتو آگ کا طوق پہننا چاہےتو اس کمان کو لے لے۔''

(۳) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ أَنَّهُ مَرَّ عَلٰی قَارِیءٍ یَقْرَأُ ثُمَّ سَأَلَ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَلْیَسْأَلِ اللّٰهَ بِهٖ فَإِنَّهٗ سَیَجِیْءُ أَقْوَامٌ یَّقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ یَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ(ترمذی: کتاب فضائل القرآن)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک قصہ گو کے پاس سے گزرے جو کہ (قرآن) پڑھ کر (لوگوں سے) سوال کررہا تھا۔ یہ دیکھ کرانہوں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے سنا کہ جوقرآن پڑھے اس کو چاہیے کہ اللہ سے سوال کرے،عنقریب ایسی قومیں ہوں گی جوقرآن پڑھیں گی اوراس کے ذریعہ لوگوں سے سوال کریں گی۔

(۴) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِجْعَلْنِیْ اِمَامَ قَوْمِیْ قَالَ اَنْتَ اِمَامُهُمْ وَاقْتَدِ بِاَضْعَفِهِمْ وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَّایَاْخُذُ عَلٰی اٰذَانِهٖ اَجْرًا

(ابوداؤد: کتاب الصلوٰة، باب اخذالاجر علی التاذین،وترمذی، نسائی، ابن ماجة، وغیره)

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ مجھے میری قوم کا امام مقرر کردیجیے۔تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کے امام ہو۔ان کی امامت کروضعیفوں کا خیال رکھتے ہوئے اورایسا موذن مقرر کروجواذان دینے پراجرت نہ لے۔

ان احادیث نے معاملہ بالکل ہی صاف کردیا کہ قرآن کوذریعہ معاش نہ بنایا جائے، یہاں تک کہ تعلیمِ قرآن پرکوئی تحفہ بھی قبول کرنے سے روک دیا گیا ہے۔اذان پراجرت دینے سے منع کردیا گیا۔ جب اذان پراجرت نہیں دی جاسکتی اور نہ لی جاسکتی ہےتو پھرامامت پراجرت کا تو قطعاً جواز نہ رہا۔اس طرح ان احادیث نے حتمی طور سے دینی امورکوذریعہ معاش بنانے کاقطعی سدباب کردیا ورکوئی گنجائش باقی نہ چھوڑی۔ان احادیث کا یہی مقتضٰی اوریہی مقصود ہے۔مگر پیٹ کے پجاری کو کب گوارا ہوسکتا ہے کہ اس کی پرتعیش معاش کا دروازہ بند کیا جائے اور وہ اسے برداشت کرلے

چنانچہ ان کی طرف سے اس کے دفاع میں فن دینداری کے بہت سے مظاہرات دیکھنے، سننے اور پڑھنے میں آتے ہیں۔کبھی ان احادیث کوضعیف بتاتے ہیں تو کبھی ان کی رکیک تاویلات کرتے ہیں۔کبھی ان احادیث کو دوسری صحیح احادیث کے غلط معنی کر کے ان سے ٹکراتے ہیں کہ کسی طرح راستے کے پتھر ہٹ جائیں اور دین کے بیوپار میں کوئی رکاوٹ حائل نہ رہے۔اس میں ان کوکسی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے اور دین ایک منافع بخش کاروبار کی شکل میں ہر جگہ موجود ہے۔اس گمبھیر صورتحال میں مناسب ہے کہ احادیث سے اس گرد وغبار کو دور کر دیا جائے جو کہ بزعم خویش دین کے نگہبان ''انبیاء کے وارثوں'' کی طرف سے ڈالا جاتا ہے۔ان کی طرف سے اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے جوگل کھلائے جاتے ہیں، ذیل کی سطور میں ان کا تجزیہ اور محاکمہ پیش خدمت ہے۔

نمبرا کے تحت پیش کی گئی عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث، **''قرآن پڑھو مگر اس کو ذریعہ معاش نہ بناؤ''** کو بعینہٖ تسلیم کر لینے سے دین کو ذریعۂ معاش بنانے والوں کا پرتکلف اور آسان ترین روزگار ختم ہوا جاتا ہے، اس وجہ سے اس کو رد کرنے کی امکان بھر کوشش کی جاتی ہے۔کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، ضعیف ہے۔اور کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ مسند احمد کی نادر و منفرد روایت ہے، احمد بن حنبل تو حیات فی القبر کا عقیدہ رکھتے تھے، ان کی حدیث سے استدلال کیونکر کیا جا سکتا ہے؟

دین کے بیوپاریوں کے نزدیک تو دین داری کو دکانداری بنانے سے روکنے والی تمام ہی احادیث ضعیف ہیں۔ان کا تو کہنا ہی کیا ہے، حیات وسماع فی القبر سے متعلق ضعیف ترین اور موضوع روایات بھی ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں مگر جن احادیث سے ان کے پیٹ پر لات پڑتی ہے تو وہ صحیح ہونے کے باوجود ضعیف ہیں۔فیاللعجب! مگر حیرت اس بات پر ہے کہ حدیث کوضعیف قرار دیتے ہیں اور دلیل کوئی نہیں دیتے۔بلا دلیل حدیث کوضعیف قرار دینا تو انکار حدیث کا شاخسانہ ہے اور منکرین حدیث کا طرہ امتیاز۔اس حدیث کی سند کے متعلق صاحب بلوغ الامانی لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَ قَالَ الْحَافِظُ سَنَدُهُ قَوِيٌّ

(بلوغ الامانی:جزء۱۵،صفحہ ۱۲۵)

''الھیثمی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اور حافظ کہتے ہیں اس کی سند قوی ہے۔''

صحیح بات یہی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔رہی یہ بات کہ یہ مسند احمد کی نادر و منفرد روایت ہے تو یہ پیشہ ور دینداروں کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ورنہ حقیقت حال تو یہ ہے کہ یہ محض مسند احمد کی روایت ہی نہیں بلکہ اس کی تخریج بہت سے محدثین نے کی ہے۔ملاحظہ ہو:

فَحَدِيْثُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ شَبْلٍ : رَوَاهُ أَحْمَدُ فِيْ مُسْنَدِهِ......وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ

إسْحَاقُ بْنِ رَاهَوَيْهَ، وَ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهٖ – فِيْ بَابِ التَّرَاوِيْح ، حَدَّثَنَا وَكِيْعُ عَنْ هِشَامِ الدَّسْتَوَائِيُّ بِهٖ ، وَ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِيْ مُصَنَّفِهٖ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرُ عَنْ يَّحْيَى بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ سَلَامٍ عَنْ جَدِّهٖ أَبِيْ رَاشِدٍ الْحُبْرَانِيُّ بِهٖ ؛ وَمِنْ طَرِيْقِ عَبْدِالرَّزَّاقِ رَوَاهُ كَذٰلِكَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ حُمَيْدٍ، وَ إسْحَاقُ بْنِ رَاهَوَيْهَ ، وَأَبُوْيَعْلَى الْمَوْصِلِيُّ فِيْ مَسَانِيْدِهِمْ ، وَكَذٰلِكَ الطّبْرَانِيُّ فِيْ مُعَجَّمِهٖ (نصب الراية: جلد ۴، صفحه ۱۳۶)

عبدالرحمٰن بن شبل کی حدیث کواحمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے......اوراسی طرح اس کواسحاق بن راھویہ نے اورابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب المصنف کے باب التراویح میں وکیع عن ھشام الدستوائی کی سند سے روایت کیا ہے اوراس حدیث کوعبدالرزاق نے بھی اپنی کتاب المصنف میں معمر عن یحیٰ بن ابی کثیر عن زید بن سلام عن جدہ ابی راشد الحبرانی کی سند سے روایت کیا ہے اورعبدالرزاق والی سند سے ہی اس حدیث کوعبد بن حمید، اسحاق بن راھویہ اورابویعلیٰ الموصلی نے اپنی مسانید میں روایت کیا ہےاوراسی طرح طبرانی نے بھی اس حدیث کواپنی معجم میں روایت کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ کی حدیث مسند احمد ہی کی روایت نہیں ہے بلکہ احمد بن حنبل کے علاوہ دیگر چھ محدثین نے اپنی حدیث کی کتابوں میں اسے روایت کیا ہے۔ چنانچہ اس کومسند احمد کی نادر روایت قرار دینا محض ایک شوشہ ہے جس میں ذرا بھی حقیقت نہیں اور یہ ان فن دینداری کے حاملین کی طرف سے آئے دن کی بات ہے۔

نمبر۲ کے تحت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی گئی ہے جس میں تعلیم قرآن پر اجرت لینا تو درکنار تحفہ تک لینے سے سختی سے روکا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''پیشہ ور دیندار'' اس کو رد کرنا ضروری خیال کرتے ہیں اوراسے ضعیف ثابت کرنے کے لیےفن دینداری کا پورا زور صرف کردیتے ہیں۔اس حدیث پران کی ردوقدح کا لب لباب محض اتنا ہے کہ اس کا ایک راوی **اسود بن ثعلبة** مجہول اوردوسرا **المغیرة بن زیاد** ضعیف ہے۔

دراصل یہ حدیث ان پیشہ وروں کی راہ میں ایک مضبوط رکاوٹ ہے اوراس میں باطل تاویل کے کیے جانے کا بھی کوئی امکان نہیں چنانچہ اس میں امکان بھرطبع آزمائی کی جاتی ہے کہ کسی بھی طرح اس روایت کوضعیف ثابت کردیا جائے۔مگر درحقیقت یہ ان کی سعیٔ لاحاصل ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو:

قَالَ شُعَيْبٌ: حَدِيْثُ عُبَادَةَ هٰذَا أَخْرَجَهُ أَيْضاً الطَّحَاوِيُّ ۲/۱۰، وَ أَحْمَدُ ۵/۳۱۵ وَ أَبُوْنُعَيْمٍ فِيْ ''أَخْبَارُ أَصْبَهَان'' ۲/۸۲، وَالْبَيْهِقِيُّ ۶/۱۲۵ كُلُّهُمْ

مِنۡ طَرِيۡقِ مُغِيۡرَةَ بۡنُ زِيَادٍ بِهٰذَا الۡإِسۡنَادِ، وَالۡأَسۡوَدُ بۡنُ ثَعۡلَبَةَ مَّجۡهُوۡلُ، لٰكِنَّهُ لَمۡ يَنۡفَرِدۡ بِهٖ، فَقَدۡ أَخۡرَجَهُ أَحۡمَدُ ٣٢٤/٥ ، وَ أَبُوۡدَاوُدَ (٣٤١٧) مِنۡ طَرِيۡقَيۡنِ ، عَنۡ بِشۡرِبۡنُ عَبۡدِاللهِ ، بِنۡ يَسَارٍ، حَدَّثَنِيۡ عُبَادَةُ بۡنُ نُسَيٍّ، عَنۡ جُنَادَةِ بۡنُ أَبِيۡ أُمَيَّةَ عَنۡ عُبَادَةِ بۡنُ الصَّامِتِ وَ صَحَّحَهُ الۡحَاكِمُ ٣٥٦/٣ وَ وَافِقَهُ الذَّهۡبِيُّ

(حاشية تهذيب الكمال: جلد ٣، صفحه ٢٢١)

شعیب کہتے ہیں کہ عبادہ کی اس حدیث کو طحاوی ۲/۱۰ اور احمد ۵/ ۳۱۵ اور ابونعیم نے اخبار اصبہان ۲/۸۲ اور بیہقی ۶ / ۱۲۵ نے بھی تخریج کیا ہے۔ ان تمام نے مغیرہ بن زیاد کی اسی سند سے اس کو بیان کیا ہے اور اسود بن ثعلبہ مجھول ہے لیکن وہ اس میں منفرد نہیں ہے، مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۲۴ اور ابوداؤد حدیث نمبر ۳۴۱۷ میں دو طریقوں سے اس کو روایت کیا ہے۔ (حدیث کا دوسرا طرق ہے)

عن بشر بن عبدالله بن يسار حدثني عباده بن نسى عن جناده بن اميه عن عبادة بن الصامت

اور اس کو حاکم نے جلد ۳ صفحہ ۳۵۶ پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اس میں اس کی موافقت کی ہے۔

اس حوالے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث اسود بن ثعلبہ اور مغیرہ بن زیاد کے علاوہ دوسرے روایوں سے بھی مروی ہے۔ اس طرح حدیث کے دو طُرق یا دو سندیں ہوئیں بنابریں اسود بن ثعلبہ کی جہالت اور مغیرہ بن زیاد کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے اس روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دین کی دکانداری کرنے والوں پر اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کا فیصلہ کن حوالہ ان کے اپنے پیشوا ناصرالدین البانی کا ہے۔ انہوں نے عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث اپنی کتاب ''صحیح سنن ابی داؤد'' میں تخریج کی ہے اور اس کے دونوں طرق کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے صحیح سنن ابی داؤد، جلد ۲، صفحہ ۶۵۵۔ کیا یہ لوگ اس روایت کو اب بھی ماننے پر تیار نہیں ہیں؟ بلا تحقیق حدیث کو ضعیف قرار دینا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس حدیث کو رد کرنے کا پہلے ہی فیصلہ کرلیا گیا ہے اور پھر اس کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے اِدھر اُدھر سے ''تحقیقی نوادرات'' اور ''شبہ پارے'' جمع کر کے پیش کیے جاتے ہیں۔

احادیث میں قرآن کو ذریعہ معاش بنانے کی کلیۃً نفی آئی ہے۔ محض قرآن ہی کو ذریعۂ معاش بنانے سے نہیں روکا گیا بلکہ قرآن وحدیث دینداری کو دکانداری بنانے کے سخت مخالف ہیں۔ مگر حاملین دین ہیں کہ دین داری کے نام پر اپنے اپنے کاروبار اور روزگار چمکائے ہوئے ہیں۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ یہ قرآن وحدیث کے احکامات سے ناآشنا ہوں بلکہ جانتے بوجھتے انہوں نے یہ انداز واطوار اپنائے ہیں، ان کی پوری کوشش ہے کہ قرآن وحدیث کے احکامات کو اپنے مفادات کے تابع کرلیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے رکیک تاویلات کا سہارا بھی لیتے ہیں چنانچہ اوپر پیش کی گئی احادیث کے

احکامات کوصرف اورصرف ''تلاوت قرآن'' پراجرت لینے تک محدود قرار دیتے ہیں اور اپنی دلیل میں (نمبر۳ کے تحت پیش کی گئی) عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث کو پیش کر کے باقی دیگر احادیث کو بھی اسی کے ہم معنی اور ہم مطلب گردانتے ہیں۔سطور بالا میں پیش کردہ احادیث کا سرسری مطالعہ ہی اس پیشہ ورانہ تاویل وتوجیہہ کی بےحیثیتی اور بوداپن واضح کردینے کے لیے کافی ہے۔اس قسم کی توجیہات وتاویلات کا مقصد مفاد پرستانہ عزائم کی تکمیل میں حائل احادیث سے جان چھڑانا ہے۔اس طرح نفع بخش کاروبار میں رکاوٹ بننے والی احادیث اپنے احکام میں گویا غیر مؤثر ہوگئیں اور ان مفاد پرستوں کا راستہ صاف ہوگیا۔تف ہے ان دین کی کمائی کھانے والوں پر جو اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر احادیث کو پہلے تو ضعیف قرار دیں اور اس پر بھی کام نہ چلے تو ان کو تاویل کی سان پر چڑھادیں! احادیث میں تو دین کو ذریعۂ معاش بنانے سے مطلق روکا گیا ہے خواہ وہ کسی بھی انداز اور کسی بھی طریقے سے ہو۔عبد الرحمٰن بن شبل انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں: اِقْرَءُ وُا الْقُرْاٰنَ...... وَلَا تَاْكُلُوْا بِهٖ وَلَا تَسْتَكْثِرُوْا بِهٖ اس حدیث کا سیدھا سادہ مطلب ہے کہ

أَيْ لَاتَجْعَلُوْهُ سَبَباً لِّمَعَايِشِكُمْ وَالْإِكْثَارِمِّنَ الدُّنْيَا

(بلوغ الامانی:جزء۱۵،صفحہ ۱۲۵)

''یعنی قرآن کو معاش اور دنیاوی فوائد کی کثرت کا ذریعہ نہ بناؤ۔''

حدیث میں صاف طور پر آ گیا کہ قرآن کو ذریعہ معاش اور دنیاوی فوائد کے حصول کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔اِن غیر مبہم اور واضح الفاظ کے باوجود بھی ان احادیث کو صرف تلاوت قرآن پر دنیا طلب کرنے سے متعلق قرار دینا حد درجہ کی حماقت اور حقائق سے چشم پوشی کی بدترین مثال ہے۔

یہاں یہ وضاحت بھی اہم ہے کہ اس حدیث کی دیگر اسناد میں ''اِقْرَءُ وُا الْقُرْاٰنَ'' کی جگہ ''تُعَلِّمُوا الْقُرْاٰنَ'' کے الفاظ آئے ہیں (ملاحظہ مسند احمد ومصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ) اور اس کا مطلب ہے کہ ''قرآن کو سیکھو''۔یہاں تو تلاوت قرآن کی بات بنانے کی قطعاً کوئی گنجائش نہ رہی۔ رہی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت تو وہ بالکل الگ اور ایک مستقل حدیث ہے اور اس کا اپنا ایک اضافی حکم ہے۔اس حدیث کا یہ مطلب تو نہیں کہ باقی احادیث بھی محض اسی قدر وہی حکم رکھتی ہیں جو کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تلاوت قرآن کر کے سوال کرنے سے روکا گیا ہے تو یہ بھی یقیناً منع ہے اور اضافی حکم ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوسری احادیث کو بھی محض تلاوت قرآن والے معاملے کے ساتھ مخصوص اور مقید کردیا جائے۔درآں حالیکہ دینی امور پر اجرت ومعاوضہ کے خلاف قرآنی آیات واحادیث تو اصول وکلیہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

یہ لوگ بھی عجیب مخلوق ہیں، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی دَم والی روایت اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی نکاح سے متعلق روایت جن کا دینی امور پر اجرت سے دور کا بھی تعلق نہیں ان کو تو یہ الگ اور مستقل حکم رکھنے والی احادیث گردانتے ہیں حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان احادیث کو دینی امور پر اجرت لینے سے روکنے والی اصولی احادیث ہی کی روشنی میں سمجھتے اور ان کا مفہوم لیتے، یہی بات قرین صواب ہے، مگر افسوس کہ ایسا نہیں کیا جاتا۔ دین کے بیوپاری فن دین داری کے ماہر ہونے کی وجہ سے مطلب برآری میں بڑے مشاق ہیں، دینی امور پر اجرت کی نہی میں وارد احادیث کو ضعیف قرار دینے یا ان کی غلط توجیہ کرنے پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ محولہ بالا غیر متعلق احادیثِ صحیحہ سے بھی دینی امور پر اجرت لینے کے جواز کے لیے استدلال کرتے ہیں۔ اس معاملے میں سب سے زیادہ مشقِ ستم ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی دَم والی درج ذیل حدیث پر کی جاتی ہے:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیْ اَنَّ نَاساً مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ اَتَوْا عَلٰی حَیٍّ مِّنْ اَحْیَاءِ الْعَرَبِ فَلَمْ یَقْرُوْھُمْ فَبَیْنَمَاھُمْ کَذٰلِکَ اِذَا لُدِغَ سَیِّدُ اُولٰئِکَ فَقَالُوْا ھَلْ مَعَکُمْ مِنْ دَوَاءٍ اَوْ رَاقٍ فَقَالُوْا اِنَّکُمْ لَمْ تَقْرُوْنَا وَلَا نَفْعَلُ حَتّٰی تَجْعَلُوْا لَنَا جُعْلاً فَجَعَلُوْا لَھُمْ قَطِیْعاً مِّنَ الشَّآءِ فَجَعِلَ یَقْرَأُ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ وَ یَجْمَعُ بُزَاقَهٗ وَیَتْفِلُ فَبَرَأَ فَأُتُوْا بِالشَّآءِ فَقَالُوْا لَا نَاْخُذُهٗ حَتّٰی نَسْئَلَ النَّبِیَّ ﷺ فَسَأَلُوْهُ فَضَحِکَ وَ قَالَ وَمَااَدْرٰکَ اِنَّھَا رُقْیَةٌ خُذُوْھَا وَاضْرِبُوْا لِیْ بِسَھْمٍ وَ فِیْ رِوَایَةٍ **اَقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِیْ مَعَکُمْ بِسَھْمٍ** (بخاری:کتاب الطب، باب الرُّقٰی بفاتحة الکتاب)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت ایک عرب قبیلہ کے پاس پہنچی۔ قبیلہ والوں نے ان کی مہمان نوازی نہ کی۔ اسی دوران اس قبیلے کے سردار کو ایک زہریلے جانور نے ڈس لیا۔ قبیلہ والوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس کاٹے کی دوا ہے یا تم میں کوئی دَم کرنے والا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ ہاں، مگر تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ہماری میز بانی نہیں کی اس لیے ہم اس وقت تک تمہارے سردار پر ''دَم'' نہیں کریں گے جب تک تم ہمارے لیے کچھ اہتمام نہ کرو۔ آخر کار بھیڑوں کی ایک ٹکڑی پر معاملہ طے ہوا۔ ایک صحابی نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اپنا تھوک جمع کیا اور سردار پر تھتکار دیا۔ قبیلہ کا سردار بالکل اچھا ہو گیا۔ حسب وعدہ قبیلہ والوں نے بھیڑیں دیں۔ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تردد ہوا اور) انہوں نے کہا: ہم اس وقت تک ان بھیڑوں کو نہیں لیں گے جب تک نبی ﷺ سے دریافت نہ کرلیں۔ پھر جب نبی ﷺ سے انہوں نے پوچھا تو نبی ﷺ ہنسے اور فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ الفاتحہ ایک ''دَم'' ہے، بھیڑوں کو لے لو، اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپس میں تقسیم کرلو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔

حدیث بالا صاف بتا رہی ہے کہ یہ دینی امور پر اجرت لینے کا معاملہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس حدیث سے دینی امور پر اجرت کا استدلال کرنے والے محض حماقت و جہالت کا شکار ہیں۔ دراصل مال و زر کی ہوس میں دین اور دینداری سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔ دین سے ان کا تعلق محض پیشہ ورانہ ہی رہ گیا۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو بیان کیا گیا ہے وہ ایک خاص الخاص واقعہ ہے۔ اُس زمانے میں جب ہوٹل اور ریستوراں کا رواج نہیں تھا اور قبیلہ والوں نے ضابطۂ اخلاق اور معروف رواج کے برعکس ضیافت کرنے سے انکار کر دیا تو اس صورتحال میں اس کے سوا اور کیا چارہ تھا کہ ان سے حق ضیافت کسی بھی طرح وصول کر لیا جاتا۔ یہ تو اضطراری حالات کا تقاضا تھا اور حالت اضطرار میں ایسا قدم اٹھانے کی اجازت ہے۔ حق ضیافت وصول کر لینے سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّهُ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ فَلاَ يَقْرُوْنَنَا فَمَا تَرٰى فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَاَمَرُوْا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِى لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوْا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلُوْا فَخُذُوْا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِىْ يَنْبَغِىْ لَهُمْ

(بخاری: کتاب الادب ،باب اکرام الضیف، و مسلم، ابوداؤد، ابن ماجۃ، مسند احمد)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں بھیجتے ہیں اور راستے میں ہم بعض قبیلوں کے یہاں پڑاؤ کرتے ہیں لیکن وہ ہماری میزبانی نہیں کرتے ، آپ بتایئے اس صورتحال میں ہم کیا کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی قوم کے یہاں پڑاؤ کرو اور وہ تمہاری مہمان نوازی کریں جو مہمان کے لیے مناسب ہوتی ہے تو اسے قبول کرلو اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے مہمان کا وہ حق وصول کرلو جو ان پر لازم ہے۔

کیا فن دینداری کے ان ماہرین نے قرآن کا مطالعہ نہیں کیا؟ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے ساتھ ایک بستی میں پہنچے، اس بستی کے لوگوں نے کہنے کے باوجود ان کے کھانے کا اہتمام نہ کیا۔ خضر علیہ السلام نے جب ان کی ایک دیوار کو جو گرنے والی تھی، سیدھا کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے فوراً ان سے کہا کہ

لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا (الکھف :۷۷)

''اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت طلب کر لیتے۔''

اللہ کے برگزیدہ رسول علیہ السلام تو اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ ظرفی میں خود ایک نمونہ ہوتے ہیں اور معمولی فروگزاشت پر انتقامی جذبہ ان کے شایانِ شان نہیں ہوتا۔ لیکن اس دور میں جبکہ ہوٹلوں وغیرہ کا وجود نہ تھا، مہمانوں کی مہمان نوازی نہ کرنا ایک بڑی حق تلفی اور عظیم معاشرتی جرم تصور کیا جاتا تھا، اسی لیے اضطراری حالت میں اپنا حق لینے کے جذبے سے ہی درج بالا الفاظ موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر آئے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قبیلہ والوں سے حق ضیافت اسی وقت وصول کیا تھا جب انہوں نے قاعدے کے مطابق

ضیافت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے جبکہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ حدیث میں اس صورتحال میں حق ضیافت وصول کرنے کا جواز موجود ہے۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی زیر بحث روایت سے تمام ہی لوگ دلیل لاتے ہیں،: نماز پڑھانے والے نماز پڑھانے کی، قرآن کی تعلیم دینے والے قرآن کی تعلیم دینے کی، فتویٰ دینے والے فتویٰ دینے کی، حدیث اور فقہ پڑھانے والے حدیث وفقہ پڑھانے کی اجرت وصول کرنے کے جواز کے لیے اسی روایت کو پیش کرتے ہیں۔ پہلی بات جو اوپر گزری کہ یہ اضطراری حالات کا خاص معاملہ تھا جس سے عموم پر دلیل نہیں لائی جاسکتی۔ دوسری بات یہ کہ یہ دینی امور پر اجرت کا معاملہ تھا ہی نہیں۔ اجرت تو خدمت انجام دینے والے کا حق ہوتی ہے جبکہ اس واقعہ میں تو ''راق''(دم کرنے والے) نے دم کیا مگر اس کے صلے میں ملنے والے بھیڑوں یا بکریوں کے ریوڑ کو قافلے کے تمام لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا حصہ بھی لگانے کو کہا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود ہی نہ تھے بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینہ واپس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملے کا ذکر کیا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا حصہ لگانے کو کہا تھا۔ بھلا کیا اجیر کی اجرت بھی تقسیم ہوا کرتی ہے؟ اور اجرت میں کسی اور کا بھی حصہ بنتا ہے جو معاملے سے قطعاً لاتعلق رہا ہو؟ دینداری کو دکانداری بنانے والوں سے کوئی پوچھے آپ جو دینی امور پر اجرت وصول کرتے ہیں تو کیا آپ بھی اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے ہیں؟ آج تک ریکارڈ پر ایسا کوئی واقعہ نہیں کہ دینی امور پر اجرت لینے والوں نے اپنی تنخواہوں میں کسی دوسرے کو حصہ دار بنایا ہو یا اپنی تنخواہ لوگوں میں تقسیم کر دی ہو، تو پھر مان لینا چاہیے کہ دینی امور پر اجرت لینے والے اس حدیث پر خود ہی عمل کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس صورتحال میں اس حدیث سے دلیل لانا چہ معنی دارد؟

دین کے بیوپاریوں کو کب گوارا ہوسکتا ہے کہ حدیث کے صحیح مطلب کو واضح کیا جائے، حدیث کی صحیح تشریح وتوضیح سے تو ان کی دکانداری چوپٹ ہوئی جاتی ہے۔ اس کو بچانے کے لیے بہت ہاتھ پیر مارے جاتے ہیں۔ تب ہی تو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے صحیح معنی ومفہوم مسترد کرنے کے لیے بخاری کی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک دوسری روایت پیش کر کے کہتے ہیں کہ ''دینی امور پر اجرت کے جواز کے لیے یہ حدیث بالکل واضح ہے اور اس میں اضطراری حالت یا حق ضیافت کے معاملے کا اشارہ تک نہیں ہے۔'' شکم پروری کے دفاع میں ان کی بے لگام زبان اور بے مہار قلم مسلمہ علمی اصولوں سے بے پروا ہو کر اسی طرح کی ہرزہ سرائی نہ کرے تو کیا کرے۔ دراصل سچ اور حق ان کے حلق سے نیچے اترتا ہی نہیں۔ یہ ہرزہ سرائی کوئی دینی خدمت نہیں محض دکانداری کے کھلے دروازے کو کھلا رکھنے کی ناروا اور

احمقانہ کوشش ہے۔سطور بالا میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی صحیح تشریح پیش کی گئی ہے۔ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔ وہ کوئی دو الگ الگ واقعات نہیں۔ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں پورا واقعہ مع جزئیات بیان ہوا ہے جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں بھی اُسی واقعہ کو بیان کیا گیا ہے مگر اس میں تمام باتیں بیان نہیں ہوئی ہیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مقابلے میں مجمل ہے اور جب کسی واقعہ کو بالتّمام بیان کرنا ہوتا ہے یا اس سے کوئی شرعی مسئلہ اخذ کرنا ہوتا ہے تو اس واقعہ سے متعلق تمام صحیح مرویات کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔ جو باتیں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں نہیں تو کیا ہوا، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو ہیں۔ یہ تو بڑی جہالت وحماقت ہی ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے مقابلے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بالکل واضح قرار دیا جائے جبکہ معلوم ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں ایک ہی واقعہ کو بیان کررہے ہیں۔ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ دونوں احادیث کا ایک ہی واقعے سے متعلق ہونا خود ان احادیث سے بھی مترشح ہے۔ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں

اِنَّ حَدِیْثَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّ حَدِیْثَ اَبِیْ سَعِیْدٍ فِیْ قِصَّةٍ وَّاحِدَةٍ....

(فتح الباری : کتاب الطب)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کی احادیث ایک ہی قصہ کے بارے میں ہیں۔''

دین کے بیوپاریوں کے نزدیک فن حدیث کے حوالے سے مستند و مُسلّم شخصیت نے بھی تصدیق کردی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی احادیث ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مختصر ہے اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مطول، اور ظاہر ہے کہ مطول مختصر کی وضاحت ہوتی ہے اور جب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مطول حدیث نے بات صاف کردی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مختصر حدیث (جس میں تمام جزئیات نہیں آئی ہیں) پر استدلال کی عمارت کس طرح قائم ہوسکتی ہے۔ یہ بات بھی قابل بیان ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ تو اس واقعہ کے چشم دید گواہ تھے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس جماعت میں شامل تھے جس کو یہ واقعہ درپیش ہوا۔بعض احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ راق (دم کرنے والے) خود ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ تھے جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس جماعت میں شامل نہیں تھے جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

ان معروضات سے واضح ہوا کہ پیشہ ور دین دار مخالفت حق اور شکم پروری کے دفاع میں ہوش وحواس بھی کھو بیٹھے ہیں ورنہ حدیث سے ذرا بھی واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ ایک واقعہ سے متعلق جب بہت سی روایات ہوں، مُجمل بھی اور مُفسَّر بھی، تو ان کو باہم جمع کرکے ہی

حدیث کا مطلب لیا جاتا ہے۔ مفسر سے آنکھیں بند کر کے مختصر پر استدلال کی بنیاد رکھنا تو حدیث اور علم حدیث سے بیگانگی بلکہ دشمنی کے مترادف ہے۔

اب یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آخر یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پر ہی اصرار کیوں ہے جسے دینی امور پر اجرت کے معاملے میں بالکل واضح قرار دیا جاتا ہے؟ وجہ اس کی دراصل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں واقعہ کے بعض پہلو نمایاں نہیں ہیں اور اس روایت کے آخر میں اِنَّ اَحَقَّ مَااَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتٰبَ اللّٰهِ کے الفاظ آئے ہیں جن سے یہ پیشہ ور لوگ دین کے بیوپار کو جائز ٹھہرانے کا ناجائز جواز اخذ کرتے ہیں جس کی حقیقت آگے آ رہی ہے۔

اس حدیث سے دینی امور پر اجرت کے جواز کے لیے استدلال کرنے والوں نے کیا اس واقعے میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کے طرز عمل پر بھی ذرا غور کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو کہا تھا کہ لَانَاخُذُهُ حَتّٰى نَسْئَالَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ''ہم اسے اس وقت تک نہیں لیں گے جب تک اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کرلیں'' اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں فَكَرِهُوْا ذٰلِكَ کے الفاظ آئے ہیں یعنی ''انہوں نے اس کو لینے میں کراہت محسوس کی۔'' یہ تھا صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل۔ کیا ان لوگوں کو یہ بالکل نظر نہیں آتا؟ اس پہلو پر ان پیٹ کے پجاریوں نے ذرا بھی غور نہ کیا کہ آخر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کراہت کیوں محسوس کی؟ اس کراہت کے پیچھے کیا عوامل کارفرما تھے؟

بعض چابک دست تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے صرف آخری الفاظ پیش کرتے ہیں کہ اِنَّ اَحَقَّ مَااَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتٰبَ اللّٰهِ یعنی کتاب اللہ پر اجر لینا سب سے زیادہ بہتر ہے! یہاں اس سے دین فروشی کا جواز مراد نہیں ہے۔ اصول اور انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان الفاظ سے دین پر اجرت کا جواز کشید کرنے سے باز آجائیں کیونکہ یہ الفاظ درج بالا سطور میں پیش کردہ واقعہ سے متعلق ہیں اور جس واقعہ سے یہ متعلق ہیں اس کے ساتھ پیوست رکھتے ہوئے اس کا مطلب اخذ کرنا چاہیے۔ کسی بھی عبارت کو سیاق وسباق سے جدا کر کے کوئی بھی معنی پہنائے جاسکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سیاق وسباق سے جدا کر کے جو معنی لیے جائیں گے وہ صحیح ہونے سے رہے۔ حدیث کے ان الفاظ سے تعلیم القرآن پر اجرت لینے کے لیے استدلال کرنے والوں کے متعلق بدرالدین عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں کہ

......مَنْ لَّهٗ ذَوْقٌ مِّنْ مَّعَانِي الْاَحَادِيْثِ لَا يَتَلَفَّظُ بِهٰذَ الْكَلَامِ الَّذِيْ لَيْسَ لَهٗ مَعْنِي......

(عمدۃ القاری: جز ۲۱، صفحہ ۲۶۴)

''جو حدیث کے معنی کا ذوق رکھتا ہے وہ اس قسم کی بات نہ کریگا جو اس کے معنی نہیں ہیں (یعنی دینی امور پر اجرت کا استدلال)۔''☆

☆ بدرالدین عینی نے اس حدیث سے تعلیم قرآن پر اجرت کے جواز کو تو رد کیا ہے لیکن آگے جا کر قرآن پڑھ کر دم کرنے پر اجرت لینا جائز قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ موقف بھی غلط ہے۔

ثابت ہوا کہ اِنَّ اَحَقَّ مَااَخَذْتُمْ عَلَیْهِ اَجرًا کِتٰبَ اللّٰهِ کے الفاظ اوپر کی سطور میں پیش کیے گئے واقعہ سے ہی متعلق ہیں اور اس واقعے میں ضیافت سے انکار کی اضطراری کیفیت میں دم کے ذریعہ حق ضیافت وصول کرنے کا ذکر ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا کردیے۔ نماز پڑھانے، قرآن وحدیث کی تعلیم دینے اور دیگر دینی امور پر اجرت کا تو اس میں سرے سے ذکر ہی نہیں تو پھر ان تمام چیزوں پر اس سے دلیل لانا احمقانہ کوشش ہے۔

دین کے بیوپاری اپنے کاروبار کو تحفظ دینے کے لیے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی دلیل لاتے ہیں۔ حدیث ملاحظہ ہو:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِیِّ قَالَ جَآءَ تِ امْرَأَةُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جِئْتُ اَهَبُ لَکَ نَفْسِیْ قَالَ فَنَظَرَ اِلَیْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِیْهَا وَ صَوَّبَهُ ثُمَّ طَأْطَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَأسَهُ فَلَمَّا رَأتِ الْمَرأَةُ اَنَّهُ لَمْ یَقْضِ فِیْهَا شَیْئًا جَلَسَتْ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَا بِهٖ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ لَمْ یَکُنْ لَّکَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِیْهَا فَقَالَ وَ هَلْ عِنْدَکَ مِنْ شَیْءٍ قَالَ لَا وَاللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِذْهَبْ اِلٰی اَهْلِکَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَیْئًا فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَاوَاللّٰهِ مَا وَجَدْتُّ شَیْئًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُنْظُرْ وَلَوْ خَاتِمًا مِّنْ حَدِیْدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَاوَاللّٰهِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاخَاتِمًا مِّنْ حَدِیْدٍ وَّلٰکِنْ هٰذَا اِزَارِیْ قَالَ سَهْلٌ مَالَهُ رِدَاءٌ فَلَهَا نِصْفُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا تَصْنَعُ بِاِزَارِکَ اِنْ لَّبِسْتَهٗ لَمْ یَکُنْ عَلَیْهَا مِنْهُ شَیْءٍ وَّ اِنْ لَّبِسَتْهُ لَمْ یَکُنْ عَلَیْکَ مِنْهُ شَیْءٍ فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتّٰی اِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ فَرَآهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُوَلِّیاً فَاَمَرَبِهٖ فَدُعِیَ فَلَمَّا جَآءَ قَالَ مَاذَا مَعَکَ مِنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ مَعِیْ سُوْرَةُ کَذَا وَ سُوْرَةُ کَذَا عَدَّدَهَا فَقَالَ تُقْرَأُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِکَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اِذْهَبْ فَقَدْ مَلَّکْتُکَهَا بِمَا مَعَکَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

(بخاری:کتاب النکاح، باب تزویج المعسرلقوله تعالیٰ..................)

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے آپ کو آپ کے لیے وقف کرنے کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔ بیان کیا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا، پھر آپ نے نظر کو نیچا کیا اور پھر اپنا سر جھکا لیا۔ جب ان خاتون نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے کوئی فیصلہ نہیں کیا تو بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد آپ

ﷺ کے صحابہ میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ کو ان کی ضرورت نہیں تو ان سے میرا نکاح کر دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: تمہارے پاس کوئی چیز ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، اللہ کی قسم یا رسول اللہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے گھر جاؤ اور دیکھو ممکن ہے تمہیں کوئی چیز مل جائے۔ وہ گئے اور واپس آئے اور عرض کیا کہ اللہ کی قسم میں نے کچھ نہیں پایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیکھ لو اگر لوہے کی ایک انگوٹھی ہی مل جائے۔ وہ گئے اور واپس آ گئے اور عرض کیا کہ اللہ کی قسم یا رسول اللہ میرے پاس لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں ہے۔ البتہ میرے پاس یہ ایک تہمد ہے۔ سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کے پاس چادر بھی نہیں تھی جس کی آدھی انہیں (بطور مہر) دی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے تہمد کا کیا کریں گی۔ اگر تم اسے پہنو گے تو ان کے لیے اس میں سے کچھ نہیں بچے گا اور اگر وہ پہن لیں تو تمہارے لیے کچھ نہیں رہے گا۔ اس کے بعد وہ صحابی رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ کافی دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد وہ جب کھڑے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا کہ وہ واپس جا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلوایا، جب وہ آئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہیں قرآن مجید کتنا یاد ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ انہوں نے گن کر بتائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تم انہیں حافظے سے پڑھ سکتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ نبی ﷺ نے فرمایا پھر جاؤ میں نے انہیں تمہارے نکاح میں دیا اس قرآن کی وجہ سے جو تمہیں یاد ہے۔

اس حدیث سے بھی دینی امور پر اجرت لینے کا استدلال کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ عورت کا مہر مال ہوتا ہے اور اس حدیث میں مال کی جگہ قرآن کو مہر ٹھہرایا گیا ہے، لہٰذا اس میں تعلیم قرآن پر مال و زر لینے کا جواز موجود ہے۔ **''ساون کے اندھے کو ہرا ہرا ہی سوجھتا ہے''** چنانچہ ان شکم پرستوں کو اس حدیث میں بھی اپنی دکانداری کا جواز نظر آتا ہے ورنہ اس حدیث میں دینی امور پر اجرت لینے کا قطعاً کوئی جواز موجود نہیں۔ اس میں تو ایک مفلوک الحال اور مفلس صحابی کے نکاح کا واقعہ مذکور ہے جن کے پاس مہر کی ادائیگی کے لیے کچھ بھی نہ تھا، اس وجہ سے نبی ﷺ نے ان کا نکاح قرآن یا حفظ قرآن کی بنا پر کر دیا تھا۔ اس میں تعلیم القرآن پر اجرت کا جواز کہاں ہے؟ قرآن یا حفظ قرآن کی بنا پر نکاح سے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے لیے جواز نکالنے سے پہلے ذرا اس واقعہ پر نظر ڈالیے معلوم ہوگا کہ جب خستہ حال صحابی نے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا تو نبی ﷺ نے سب سے پہلے ان سے پوچھا تیرے پاس کچھ ہے؟ ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ انہوں نے اس کا اقرار کیا: **لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ** (اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول! کچھ بھی نہیں ہے)۔ اس پر بھی نبی علیہ السلام نے ان کو گھر بھیجا کہ جاؤ دیکھو کچھ مل جائے گا۔ وہ گھر جاتے ہیں اور واپس آ کر حلفیہ بتاتے ہیں کہ کچھ نہیں ملا۔ نبی علیہ السلام انہیں پھر بھیجتے ہیں کہ جاؤ دیکھو کوئی لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے۔ وہ پھر جاتے ہیں اور واپس آ کر پھر کہتے ہیں کہ **لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا خَاتِمًا مِّنْ حَدِيْدٍ:**

اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول! (میرے پاس) لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں۔ بالآخر وہ اپنے ازار کی پیشکش کرتے ہیں جس کو نبی ﷺ مسترد کر دیتے ہیں کہ اس کو مہر میں دے دینے سے ان کے اپنے ازار کا مسئلہ پیدا ہو جاتا۔ کیا یہ واقعہ نہیں بتا رہا کہ نبی ﷺ نے تو ہر صورت میں مہر کے لیے کچھ نہ کچھ فراہم کرنے کی کوشش کی تھی، جب کوئی صورت نہ بن پائی تب کہیں جا کر آپ ﷺ نے ان کا نکاح قرآن یا حفظ قرآن کی وجہ سے قائم کیا۔ یہ ایک خصوصی واقعہ تھا اور یہ نبی ﷺ ہی کی خصوصیت تھی۔ نبی ﷺ کی خصوصیت کا صرف یہی ایک معاملہ نہیں ہے بلکہ اور بھی معاملات احادیث میں مذکور ہیں۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ یہ نہ تو کوئی عام رواج تھا اور نہ معمول۔ نہ پہلے ایسا ہوا تھا اور نہ بعد میں یہ معمول بنا۔ کتنے ایسے نکاح ہیں جو قرآن یا حفظ قرآن کی بنا پر ہوئے؟ پہلے نہ سہی، کیا اس واقعے کے بعد کی اس قسم کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ دراصل مہر تو عورت کا اختیار ہوتا ہے، وہ جس چیز پر بھی راضی ہو جائے۔ اس واقعہ میں خاتون نے اپنا نفس بلا کسی شرط کے نبی ﷺ کو ھبہ کر دیا تھا۔ اس حدیث سے تعلیم القرآن پر استدلال کرنے والوں کو ام سُلیم رضی اللہ عنہا کے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کے واقعہ کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ امام نسائی نے اُم سُلیم رضی اللہ عنہا کے نکاح کے واقعہ پر "اَلتَّزْوِيْجُ عَلَى الْإِسْلَامِ" (اسلام لانے پر نکاح) کا باب قائم کیا ہے۔ اس باب کے تحت انس رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں لائے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ تَزَوَّجَ اَبُوْطَلْحَةَ اُمَّ سُلَيْمٍ فَكَانَ صِدَاقُ مَابَيْنَهُمَا الْاِسْلَامُ اَسْلَمَتْ اُمَّ سُلَيْمٍ قَبْلَ اَبِىْ طَلْحَةَ فَخَطَبَهَا فَقَالَتْ اِنِّىْ قَدْ اَسْلَمْتُ فَاِنْ اَسْلَمْتَ نَكَحْتُكَ فَاَسْلَمَ فَكَانَ صِدَاقُ مَا بَيْنَهُمَا (نسائی: کتاب النکاح، باب التزویج علی الاسلام)

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، ان کے درمیان ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا مہر قرار پایا۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لے آئیں تھیں۔ جب ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تم سے نکاح کرلونگی۔ پس ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔ یہی ان کا مہر قرار پایا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَطَبَ اَبُوْ طَلْحَةَ اُمَّ سُلَيْمٍ فَقَالَتْ وَاللّٰهِ مَامِثْلُكَ يَا اَبَاطَلْحَةَ يُرَدُّ وَلٰكِنَّكَ رَجُلٌ كَافِرٌ وَّ اَنَا اِمْرَأَةٌ مُّسْلِمَةٌ وَّلَا يَحِلُّ لِىْ اَنْ اَتَزَوَّجَكَ فَاِنْ تُسْلِمْ فَذَاكَ مَهْرِىْ وَلَا اَسْأَلُكَ غَيْرَهُ فَاَسْلَمَ فَكَانَ ذٰلِكَ مَهْرَهَا (ایضاً)

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم اے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تمہاری طرح کے آدمی کو رد نہیں کیا جاتا لیکن تم کافر ہو اور میں مسلمہ اور میرے لیے جائز نہیں کہ تم سے نکاح کروں، ہاں اگر تم اسلام قبول کرلو تو یہی میرا مہر ہوگا اور اس کے علاوہ میں تم سے کچھ نہ طلب کروں گی۔ پس ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا اور یہی ان کا مہر رہا۔

دینی امور پر اجرت لینے والوں کے استدلال کے مطابق چونکہ عورت کا اصل مہر مال ہے، ام سُلیم رضی اللہ عنہا کے نکاح میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا مہر ٹھہرا تھا، لہٰذا اسلام قبول کرنے پر مال و دولت لینا جائز ہوا یا مال و دولت کے عوض اسلام قبول کرنا مستحسن قرار پایا۔ ان کے پیمانے کے مطابق تو قرآن پر نکاح سے جب تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا جواز نکلا تو اسلام پر نکاح سے اسلام لانے پر اجرت لینا جائز ہوا! گویا اسلام بھی ''دہاڑی'' پر ٹھہرا اور مسلمان بھی ''اجرتی مسلمان'' ہو گئے! گویا ان پیشہ ور دین داروں کے نزدیک دین اسلام منافع بخش پیداواری صنعت ہے۔ تف ہے اس انداز شکم پرستی پر جو ایمان و اسلام لانے سے لے کر مرنے اور مرنے کے بعد ہر ہر چیز پر مال بنانے میں مصروف رکھے، قرآن وحدیث کا کیسا مذاق بنایا ہے ان ظالموں نے!

دینی امور پر اجرت لینے کے لیے آیات قرآنی سے صرف نظر کر کے صحیح احادیث سے غلط استدلال کرنے کے ساتھ ساتھ ایک اور بات بڑے زور وشور سے کی جاتی ہے وہ یہ کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اماموں، موذنوں اور معلمین کی بیت المال سے تنخواہیں مقرر کی تھیں۔ اس غلط بات کو بڑی شدومد کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اور یہ بات زبان زد عام ہے۔ درحقیقت یہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر صریح الزام اور بہتان ہے، ایک افسانہ ہے جو گھڑ کر ان سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ دین کے بیوپاری اس کے لیے آج تک ٹھوس علمی دلیل پیش نہیں کر سکے ہیں، جس قدر باتیں کی جاتی ہیں سب بے دلیل اور غیر مستند ہیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں بہت سے انتظامی امور انجام دیے، نئے محکمے قائم کیے، اور کئی اہم شعبوں کی بنیاد رکھی، اسی میں آپ کا ایک کام یہ بھی تھا کہ آپ نے حکومتی فرائض انجام دینے والے ''عمال'' کی بیت المال سے باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں۔ امامت، موذنی اور معلّمی کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں کی تھی۔ عمال (یعنی ریاستی امور سرانجام دینے والے اہل کار) کی تنخواہیں مقرر کرنے سے لوگوں نے دینی امور انجام دینے کی تنخواہ مقرر کرنے کا افسانہ گھڑا۔ حکومتی فرائض انجام دینے والے عمال کی تنخواہ سے موذن کی تنخواہ کا جواز نکالنے والوں کے متعلق الشوکانی فرماتے ہیں:

فَقَاسَ الْمُؤَذِّنَ عَلَى الْعَامِلِ ، وَ هُوَ قِيَاسٌ فِيْ مُصَادِمَةِ النَّصِّ

(ترمذی بشرح احمد شاکر: جلد ١، صفحہ ٤١١)

''موذن کو عامل پر قیاس کیا گیا ہے اور یہ قیاس نص سے متصادم ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بے انتہا فتوحات ہوئیں، کفار کے بے شمار علاقے فتح ہو کر اسلامی مملکت میں شامل ہوتے رہے اور ان سے حاصل ہونے والے مال غنیمت اور دوسری

مدات کی آمدنی کے مسجد نبوی میں ڈھیر لگے رہتے تھے جسے مملکت کی ساری رعایا میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ اس سارے مال کو ساری مملکت میں تقسیم کرنے پر اتنے پرعزم تھے کہ فرماتے تھے:

لَوْ لَا اٰخِرُ الْمُسْلِمِیْنَ مَافَتَحْتُ قَرْیَةً اِلَّا قَسَمْتُهَا بَیْنَ اَهْلِهَا کَمَا قَسَمَ النَّبِیُّ خَیْبَرَ

(بخاری: کتاب الجہادوالسیر، باب الغنیمة لمن شهدالوقعة)

''اگر دوسرے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو جو بستی میں فتح کرتا اس کو فتح کرنے والوں میں تقسیم کر دیتا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کر دیا تھا۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے اس مال غنیمت کی مملکت کے لوگوں میں تقسیم کے مختلف معیار مقرر کیے ہوئے تھے جس کا اندازہ ذیل کی دو روایات سے ہوتا ہے:

کَانَ فَرَضَ لِلْمُهَاجِرِیْنَ الْاَوَّلِیْنَ اَرْبَعَةَ اٰلافٍ فِیْ اَرْبَعَةٍ وَّ فَرَضَ لِا بْنِ عُمَرَ ثَلٰثَةَ اٰلَافٍ وَّ خَمْسَمِائَةٍ فَقِیْلَ لَهٗ هُوَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ فَلِمَ نَقَصْتَهٗ مِنْ اَرْبَعَةِ اٰلَافٍ فَقَالَ اِنَّمَا هَاجَرَ بِهٖ اَبَوَاهُ یَقُوْلُ لَیْسَ هُوَ کَمَنْ هَاجَرَ بِنَفْسِهٖ

(بخاری: کتاب المناقب، باب هجرة النبی و اصحابه)

عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں کے لیے چار قسطوں میں (سالانہ) چار ہزار مقرر کیے تھے۔ (لیکن) اپنے بیٹے (عبداللہ) کے لیے ساڑھے تین ہزار مقرر کیے۔ پوچھا گیا کہ وہ بھی تو اولین مہاجرین میں سے ہیں پھر آپ نے ان کے لیے کیوں کمی کی۔ بتایا کہ ان کی ہجرت اپنے والدین کے ساتھ ہوئی، وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتے جس نے خود سے ہجرت کی۔

کَانَ عَطَآءُ الْبَدْرِیِّیْنَ خَمْسَةَ اٰلَافٍ خَمْسَةَ اٰلَافٍ وَّ قَالَ عُمَرُ لَاُفَضِّلَنَّهُمْ عَلٰی مَنْ بَعْدَهُمْ (بخاری: کتاب المغازی، ابواب البدر)

عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کا سالانہ وظیفہ پانچ پانچ ہزار مقرر کیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں انہیں ان کے بعد والوں پر ضرور فضیلت دوں گا۔

غور طلب بات ہے کہ یہ مہاجرین اولین و اصحاب بدر کس مسجد کے امام تھے؟ کہاں موذن تھے؟ کون سے مدرسے میں قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے تھے؟ کس کے نکاح پڑھاتے تھے؟ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مہاجرین اولین اور جنگ بدر میں شرکت کرنے والے صحابہ کی تعداد سینکڑوں میں تھی لیکن مساجد چند ہی تھیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ وظائف امامت، موذنی، معلّمی یا کسی اور دینی خدمت کے معاوضے کے طور پر مقرر نہیں کیے گئے تھے بلکہ یہ وظائف عورتوں، مردوں، بچوں، بڑوں سب کو ان کے ایمان، ہجرت اور شرکت غزوات میں سبقت کی نسبت سے دیے گئے تھے۔ کیا یہ عورتیں بچے بھی کسی مسجد کے امام و موذن تھے؟

اور اتنی وسیع مملکت کے لوگوں کو ہزاروں کے حساب سے فی کس سالانہ دینے والے خلیفۃ المسلمین کا اپنا کیا حال تھا؟ وفات کے وقت بیٹے سے فرماتے ہیں:

يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أُنْظُرْ مَاذَاعَلَيَّ مِنَ الدَّيْنِ فَحَسَبُوْهُ فَوَجَدُوْهُ سِتَّةً وَّ ثَمَانِيْنَ اَلْفًا اَوْ نَحْوَهٗ قَالَ اِنْ وَفِيْ لَهٗ مَالُ اٰلِ عُمَرَ فَادِّهٖ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَاِلَّا فَسَلْ فِيْ بَنِيْ عَدِيِّ ابْنِ كَعْبٍ فَاِنْ لَّمْ تَفِ اَمْوَالُهُمْ فَسَلْ فِيْ قُرَيْشٍ وَّلَاتَعْدُهُمْ اِلٰى غَيْرِهِمْ فَادِّعَنِّيْ هٰذَا الْمَالَ (بخاری:كتاب المناقب، باب قصة البيعة والاتفاق علٰى عثمان رضی اللہ عنہ)

''اے عبداللہ بن عمر! دیکھو مجھ پر کتنا قرض ہے؟'' جب لوگوں نے آپ پر قرض کا حساب لگایا تو تقریباً چھیاسی ہزار نکلا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا کہ اگر یہ قرض آل عمر کے مال سے ادا ہوسکے تو انہی کے مال سے ادائیگی کرنا، ورنہ پھر بنی عدی بن کعب سے کہنا، اگر ان کے مال سے بھی پورا نہ ہوسکے تو قریش سے کہنا، ان کے سوا کسی اور سے امداد طلب نہ کرنا اور میری طرف سے اس قرض کی ادائیگی کر دینا۔

اتنی بڑی مملکت کے امیر پر آخر اسقدر قرض کیسے ہوا؟ کیا بیت المال سے وہ کچھ نہیں لیتے تھے؟ اس سلسلے میں خود ان کا قول ملاحظہ ہو:

إِنِّي أَنْزَلْتُ مَالَ اللّٰهِ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ مَالِ الْيَتِيْمِ ، فَإِنِ اسْتَغْنَيْتُ عَفَفْتُ عَنْهُ وَ إِنِ افْتَقَرْتُ أَكَلْتُ بِالْمَعْرُوْفِ (طبقات لابن سعد: جز ١٠، صفحه ٢٧٦)

''میں نے اللہ کے مال (یعنی بیت المال) میں اپنا حق ویسا ہی رکھا ہے جیسا کہ یتیم کے ولی کو یتیم کے مال میں ہوتا ہے۔ اگر میں غنی ہوں گا تو اس میں سے کچھ نہ لوں گا اور ضرورت مندی کی حالت میں معروف کے مطابق ہی لوں گا۔''

دین کو دکانداری اور بیوپار بنانے والوں کا طرز عمل قرآن وحدیث سے براہ راست متصادم ہے۔ یہ لوگ سب کچھ جانتے ہیں مگر مال وزر نے ان کی آنکھیں خیرہ کردی ہیں، آخرت سے قطعاً بے نیاز و بے پرواہ ہیں، بس دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کمائی کو جائز ثابت کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کرتے اور حیلے بہانے تراشتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ امام مسجد میں امامت کرتا ہے وہ کہاں سے کھائے گا، کبھی کہا جاتا ہے کہ معلم جو دنیاوی کاموں سے فارغ ہوکر اپنے اوقات قرآن کریم کو پڑھانے کے لیے وقف کرتا ہے اس دوران وہ اپنی معاش پیدا نہیں کرسکتا، وہ کہاں سے کھائے گا؟ اپنی گزر بسر کس طرح سے کرے گا؟ کبھی کہتے ہیں کہ امام، موذن، مفتی اور معلم تو وقت کی اجرت لیتے ہیں، نماز، اذان، فتویٰ یا علم کی نہیں۔ ظالم اسی پر بس نہیں کرتے، بعض دیدہ دلیر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کہاں سے کھاتے پیتے تھے؟

اس طرح کی حیلہ سازی اور شوشہ بازی کی جاتی ہے اور یہی ان کا سہارا ہے۔ ان حیلوں اور شوشوں سے قرآن و حدیث کی ناجائز ٹھہرائی ہوئی چیزیں جائز ہونے سے رہیں۔ صلوٰۃ ہر مسلم پر فرض ہے، بندگی کا انداز اور عبادت و طاعت ہے۔ عبادت و طاعت کا اجر اللہ کے پاس ہے اور آخرت میں ملنے والا ہے۔ نماز، عبادت اور طاعت فروش کیا قرآن کا مطالعہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (البقرۃ:۲۷۷)

''اور جو صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے''

صلوٰۃ جس کا اجر اللہ کے پاس ہے، امام صاحب چند ٹکوں کے عوض مسجد کی کمیٹیوں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے ہیں۔ ان کی طرف سے تنخواہ بڑھانے کا بار بار مطالبہ کیا جاتا ہے۔ خوش الحان قاری اور چرب زبان خطیب کی ڈیمانڈ زیادہ ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی دوسری مسجد کے منتظمین کی طرف سے کچھ زائد کی پیشکش پر یہ قاری، خطیب و امام صاحب کم منافع بخش جگہ کو خیر باد کہہ کر زیادہ والی کو اللہ کا فضل قرار دیتے ہوئے نئی مسجد و منبر کی ذمہ داری سنبھال لیتے ہیں۔ امام و خطیب صاحب کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنی قرأت اور خطابت و وعظ سے انتظامیہ اور مسجد میں آنے والے لوگوں کو خوش رکھ سکیں۔ یہ پیشہ ور امام اور خطیب جب کسی مسجد میں ذمہ داری سنبھالتے ہیں تو سب سے پہلے مسجد کمیٹی اور نمازیوں کے مسلک اور رجحان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر ''جیسا دیس ویسا بھیس'' کے مقولے پر عمل کرتے ہیں۔ قرآن کے حافظوں کا معاملہ بھی پیشہ ور اماموں سے ذرا مختلف نہیں۔ ماہ رمضان خاص ان کے لیے ''خیر و برکت'' کا مہینہ ثابت ہوتا ہے۔ ان حافظوں کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی پوش علاقے کی مسجد میں تراویح پڑھانے کا ''ٹھیکہ'' مل جائے۔ ایسا ہو جائے تو سمجھیے کہ حافظ صاحب کی مراد بر آئی۔ اگر پوش علاقے میں اس قسم کا کوئی ٹھیکہ نہ ملے تو تب بھی انہیں کوئی قابل ذکر نقصان نہیں اٹھانا پڑتا۔ تمام ہی مساجد میں خواہ پوش علاقوں میں ہوں یا غریب بستیوں میں، ''ختم قرآن'' پر حافظ صاحب کو ''کما حقہ'' نقد نذرانے، تحفے تحائف اور کپڑے وغیرہ دیے جاتے ہیں۔ حافظ صاحب اس کو اپنا حق سمجھتے ہوئے خوشی خوشی قبول کرتے ہیں اور شیر مادر سمجھ کر ہضم کر جاتے ہیں۔ شبینہ، سہ روزہ، پنج روزہ وغیرہ ختم قرآن کے اضافی مواقع ان کے لیے ''بونس اور اوور ٹائم'' ثابت ہوتے ہیں۔

افسوس! صد افسوس! اس دین، عبادت و طاعت فروشی پر ان لوگوں نے کبھی یہ بھی سوچا کہ اپنی نمازیں تو انہوں نے فروخت کر دیں، وہ جو خود ان پر فرض تھیں ان کا کیا ہوا؟ وہ کہاں ادا ہوئیں؟ امام صاحب صلوٰۃ کے اوقات میں امامت کرتے، باقی اوقات میں تو فارغ ہوتے ہیں، اس میں

اپنے ہاتھ سے محنت کر کے اپنی معاش پیدا کریں۔ اپنے اور اپنے کنبہ کے لیے حلال رزق مہیا کرنا بھی ان پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معاش سے بے پرواہ ہو کر امامت کرنا تو فرض نہیں کیا ہے۔ اسی طرح کا معاملہ معلمین اور مفتیان دین کا ہے۔ قرآن وحدیث کا علم پھیلانا تو تبلیغ ہے اور تبلیغ پر معاوضہ لینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔ ہر مسلم پر فرض ہے کہ قرآن و حدیث کا علم سیکھے اور اس کو سکھائے۔ یہ بھی ایک مجاہدانہ عمل ہے کہ مسلم اپنے وقت اور اللہ کی عطا کردہ توانائیوں اور صلاحیتوں کے کچھ حصے کو معاشی ضرورتوں سے بچا کر دین سیکھنے اور سکھانے پر صرف کرے۔ اس کے لیے کچھ مفادات کی قربانی ناگزیر ہے۔ جب دین کے بنیادی تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے ہر آدمی قرآن و حدیث سیکھے گا اور اس کو سکھائے گا تو ہر وقت اس کام میں مشغول رہنے کا بہانہ نہ بن سکے گا۔ قرآن و حدیث کو بطور پیشہ سیکھنے کے بجائے دین پر عمل کرنے اور کروانے کے لیے سیکھنا چاہیے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ خیر اور نیکی کی دعوت دینے والے کو عمل کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ(مسلم:کتاب الامارة، باب فضل اعانة الغازی)

''خیر و نیکی کا راستہ بتانے والے کو نیکی کرنے والے کے برابر اجر ملتا ہے۔''

غور فرمایے! کتنا بڑا اجر وانعام ہے یہ، اور دنیا کی ساری دولت اس کے مقابلے میں بلاشبہ ''**ثمن قلیل**'' ہے۔

دین اور قرآن وحدیث کے علم کو اللہ کی رضا اور آخرت کے حصول کے لیے سیکھنا چاہیے، دنیا کمانے اور ریاکاری کے مقاصد کے تحت ان کو سیکھنے والے قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک نہ پاسکیں گے اور اس دن ان کا جو حال ہوگا وہ حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِّمَّا یُبْتَغٰی بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَایَتَعَلَّمُهُ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِهٖ عَرَضًامِّنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَعْنِیْ رِیْحَهَا (ابوداؤد: کتاب العلم، باب فی طلب العلم لغیر اللّٰه)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو علم اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے سیکھا جانا چاہیے وہ اگر کوئی کسی دنیاوی غرض کے لیے حاصل کرے تو قیامت کے دن وہ جنت کی خوشبو تک نہ پاسکے گا۔''

وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَ عَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَ عَلَّمْتَهُ وَ قَرَأْتُ فِیْکَ الْقُرْاٰنَ قَالَ کَذِبْتَ وَلٰکِنَّکَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِیُقَالَ عَالِمٌ وَّ قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ لِیُقَالَ هُوَ قَارِیٌٔ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ

(مسلم: کتاب الامارة، باب من قاتل للریاء والسمعة استحق النار)

ایک اور شخص ہوگا جس نے دین کا علم سیکھا اور سکھلایا اور قرآن پڑھا ہوگا، اس کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا، اسے تمام نعمتیں دکھائی جائیں گی، وہ انہیں پہچان لے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے ان کے بارے میں کیا عمل کیا (یعنی ان کا کیا حق ادا کیا)۔ وہ کہے گا کہ میں نے علم سیکھا اور سکھایا اور تیری خوشنودی کے لیے قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا، بلکہ تو نے صرف اس لیے علم سیکھا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے اور اس لیے قرآن پڑھا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے، سو تجھے کہا جاچکا۔ پھر حکم ہوگا اور اسے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

آج دین اور قرآن کو پیشے کے طور پر سیکھنے والے اور دنیاوی فائدے سمیٹنے والے باطل موقف کو حق ثابت کرنے کے لیے کیسی ہی چرب زبانی کیوں نہ کرلیں لیکن یوم التغابن ان کی ایک نہ چلے گی۔ قیامت کے روز یہ اسے اللہ کی خوشنودی کی خاطر سیکھنے کا جھوٹ بولیں گے مگر اللہ کی بارگاہ میں ان کا جھوٹ نہ چلے گا۔ ان کے اعضاء بدن ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

امت کے احبار و رھبان جو کہ دین کے بیوپاری بنے ہوئے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کے بلند بانگ دعوے کیا کرتے ہیں مگر درحقیقت صحابہ رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کا ان میں شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کون دین کو سیکھنے اور سکھانے والا تھا۔ مگر ان کا یہ حال تھا کہ اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے کمایا کرتے تھے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے:

عَنْ عُرْوَةَ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عُمَّالَ اَنْفُسِهِمْ فَكَانَ يَكُوْنُ لَهُمْ اَرْوَاحٌ فَقِيْلَ لَهُمْ لَوِاغْتَسَلْتُمْ

(بخاری:کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ)

عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اپنے لیے مزدوری کیا کرتے تھے اور (زیادہ محنت مشقت کی وجہ سے) ان کے جسم سے پسینے کی بو آتی تھی، اس لیے ان سے کہا گیا کہ کاش تم غسل کرلیا کرتے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَآءَ نَاسٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوْا اَنِ ابْعَثْ مَعَنَا رِجَالاً يُعَلِّمُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَالسُّنَّةَ فَبَعَثَ اِلَيْهِمْ سَبْعِيْنَ رَجُلاً مِّنَ الْاَنْصَارِ يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّآءُ فِيْهِمْ خَالِيَ حَرَامٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَيَتَدَارَسُوْنَ بِاللَّيْلِ يَتَعَلَّمُوْنَ وَكَانُوْا بِالنَّهَارِ يَجِيْئُوْنَ بِالْمَآءِ فَيَضَعُوْنَهُ فِي الْمَسْجِدِ وَيَحْتَطِبُوْنَ فَيَبِيْعُوْنَهُ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهِ الطَّعَامَ لِاَهْلِ الصُّفَّةِ وَ لِلْفُقَرَآءِ (مسلم: کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشھید)

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ ہمارے ساتھ چند آدمی کر دیجیے جو ہمیں قرآن وسنت سکھلائیں۔ آپ نے ان کے ساتھ ستر انصاریوں کو کر دیا

جنہیں قراء کہتے تھے۔ ان میں میرے ماموں حرام بھی تھے۔ یہ قرآن کریم پڑھا کرتے تھے اور رات کو قرآن کے درس و تدریس اور سیکھنے میں مصروف رہتے اور دن میں پانی لا کر مسجد میں رکھتے اور (جنگل سے) لکڑیاں لا کر فروخت کر کے کھانا خرید کر اہل صفہ اور دیگر فقراء کو کھلایا کرتے۔

یہ تھا صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل جو دین کو سب سے زیادہ سیکھنے اور سکھانے والے تھے اور آخرت کے اجر کے سب سے زیادہ حریص تھے۔ ان کا یہ طرز عمل کیوں نہ ہوتا جبکہ نبی ﷺ کی تعلیم و تربیت یہی تھی:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاَنْ يَّحْتَطِبَ اَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلٰى ظَهْرِهٖ خَيْرٌلَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْأَلَ اَحَدًا فُيُعْطِيَهُ اَوْيَمْنَعَهُ (بخاری:کتاب البیوع، باب کسب الرجل و عمله بیده)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جو لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاتا ہے (تاکہ اسے بیچے اور اپنی روزی کمائے) وہ اس سے بہتر ہے جو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے چاہے وہ اسے کچھ دے یا منع کر دے۔''

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ اَحْبُلَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْأَلَ النَّاسَ (ایضاً)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی اپنی رسی سنبھالے (اور لکڑیاں باندھ کر لائے تو) اس بات سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔''

عَنِ الْمِقْدَامِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَااَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِّنْ اَنْ يَّاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ وَ اِنّ نَبِیَّ اللّٰهِ دَاوٗدَكَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ (ایضاً)

مقدام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی انسان نے اس شخص سے بہتر روزی نہیں کھائی ہوگی جو خود اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا ہے۔ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی حاصل کرتے تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم مال کے لیے سوال کرنے میں کس قدر حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے اس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے ہوگا:

اِنَّ حَكِيْمَ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَعْطَانِیْ ثُمَّ سَأَلْتُهٗ فَاَعْطَانِیْ ثُمَّ قَالَ لِیْ يَا حَكِيْمُ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌحُلْوٌ فَمَنْ اَخَذَهٗ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ وَمَنْ اَخَذَهٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَّمْ يُبَارَكَ لَهٗ فِيْهِ وَ كَانَ كَالَّذِیْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَااَرْزَأُ اَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى اُفَارِقَ الدُّنْيَا فَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ يَّدْعُوْ حَكِيْمًا لِّيُعْطِيَهُ الْعَطَآءَ فَيَاْبٰى اَنْ يَّقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا ثُمَّ اِنَّ عُمَرَدَعَاهُ لِيُعْطِيَهٗ فَاَبٰى اَنْ يَّقْبَلَ مِنْهُ فَقَالَ يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنِّیْ اُعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ الَّذِیْ قَسَمَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهٗ مِنْ هٰذَا الْفَئْ فَيَاْبٰى اَنْ يَّاْخُذَهٗ فَلَمْ يَرْزَأُ

حَكِيْمٌ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ شَيْئًا بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ حَتّٰى تُوُفِّيَ

(بخاری: کتاب الجہاد، باب ماکان النبی ﷺ یعطی)

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگا، آپ نے عطا کیا، میں نے پھر مانگا، آپ نے پھر عطا کیا اور کہا کہ اے حکیم! یہ مال سرسبز وشیریں ہے (ظاہر میں بڑی میٹھی چیز ہے) جو اس کو لالچ کے بغیر لے تو اس میں برکت ہوتی ہے اور اگر طمع اور لالچ سے حاصل ہو تو اس میں برکت نہیں ہوتی بلکہ ایسا ہوجاتا ہے (جیسے جوع البقر کی بیماری میں ہوتا ہے) کہ ہر وقت کھائے جائے اور پیٹ نہ بھرے۔ اوپر والا (یعنی دینے والا) ہاتھ نیچے والے (یعنی لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔ حکیم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اس کے بعد اب کسی سے نہیں لوں گا یہاں تک کہ اس دنیا سے ہی چلا جاؤں۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں (اپنے دور خلافت میں) عطیہ دینے کے لیے بلاتے تھے مگر وہ کچھ بھی قبول کرنے سے انکار کردیتے۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ (اپنے دور خلافت میں) انہیں کچھ دینے کے لیے بلاتے رہے مگر انہوں نے انکار کردیا۔ آخر عمر رضی اللہ عنہ نے (لوگوں کے اجتماع میں) کہا کے اے مسلمانو! (تم گواہ رہنا) میں حکیم رضی اللہ عنہ کو اس مال فے میں سے ان کا حصہ دیتا ہوں جو اللہ نے رکھا ہے لیکن وہ نہیں لیتے۔ غرض حکیم رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے بعد مرنے تک کسی سے کچھ نہیں لیا۔

یہ تھا وہ انداز معیشت جو نبی ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمایا اور اسی کا نمونہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم (یعنی خیر القرون) نے پیش کیا۔ جو کچھ انہوں نے سیکھا اس پر خود بھی عمل کیا اور دوسروں کو بھی سکھایا لیکن کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہم نے دین کو پیشہ نہیں بنایا۔ سب کے سب اپنے ہاتھ سے کسب معاش کرنے والے تھے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں:

اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اسْتُخْلِفَ اَبُوْبَكْرِ ِ الصِّدِّيْقُ قَالَ لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِيْ اَنَّ حِرْفَتِيْ لَمْ تَكُنْ تَعْجِزُ عَنْ مَؤُنَةِ اَهْلِيْ وَ شُغِلْتُ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَيَاْكُلُ اٰلُ اَبِيْ بَكْرٍ مِّنْ هٰذَ الْمَالِ وَيَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ

(بخاری: کتاب البیوع، باب کسب الرجل و عملہ بیدہ)

عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے کہا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے گھر والوں کی کفالت کے لیے ناکافی نہیں تھا، لیکن اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہوگیا ہوں، اس لیے ابوبکر کے گھر والے بیت المال میں سے کھائیں گے اور وہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) مسلمانوں کا مال تجارت سے بڑھاتا رہے گا۔

عمر رضی اللہ عنہ کا معمول بھی ملاحظہ ہو:

قَالَ كُنْتُ اَنَا وَ جَارٌ لِّيْ مِنَ الْاَنْصَارِ فِيْ بَنِيْ اُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَّهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِيْنَةِ وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُوْلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَنْزِلُ يَوْمًا وَّ اَنْزِلُ يَوْمًا

فَاِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهٗ بِخَبَرِ ذٰلِکَ الْیَوْمِ مِنَ الْوَحْیِ وَغَیْرِہٖ وَاِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِکَ
(بخاری: کتاب العلم، باب التناوب فی العلم)

فرمایا کہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی دونوں بنی امیہ بن زید کے گاؤں میں جو مدینہ کے بلند علاقے میں ہے، رہا کرتے تھے، ہم دونوں باری باری نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ ایک روز وہ آتا اور ایک روز میں۔ جس دن میں آتا تو اس دن (مجلس نبوی ﷺ) کی وحی وغیرہ کی خبریں، اس کو بتاتا، اور جس دن اس کی حاضری ہوتی تو وہ بھی ایسا ہی کرتا۔

اور ظاہر ہے کہ وہ ایک دن کا ناغہ معاش کی مصروفیات کی وجہ سے کرتے تھے ورنہ مجلس نبوی ﷺ سے غیر حاضری اور علوم نبوت سے دوری انہیں گوارا نہ تھی، اگرچہ وہ باتیں اپنے ساتھی سے انہیں بعد میں معلوم ہو جاتی تھیں۔ اپنے اس شوق اور اپنی غیر حاضری میں ہونے والی باتوں اور حدیثوں سے لاعلم رہنے پر افسوس کا اظہار انہوں نے اس موقعے پر کیا جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ وہ اس لیے ان کے دروازے سے واپس ہو گئے کہ تین دفعہ سلام کرنے پر بھی جواب نہ آیا تھا اور یہی فرمان نبوی ﷺ تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَخَفِیَ عَلَیَّ ھٰذَا مِنْ اَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَلْھَانِی الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ یَعْنِی الْخُرُوْجَ اِلَی التِّجَارَةِ (بخاری: کتاب البیوع، باب الخروج فی التجارة)

''بازاروں کی خرید و فروخت یعنی تجارت کے لیے نکلنے نے نبی ﷺ کے اس حکم کو مجھ سے پوشیدہ رکھا۔''

عثمان رضی اللہ عنہ کا تجارت کرنا تو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کے کسب معاش کو جاننے کے لیے ان کے ولیمہ کے معاملے کو پیش نظر رکھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فَلَمَّا اَرَدْتُّ اَنْ اَبْتَنِیَ بِفَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَاَعَدْتُّ رَجُلاً صَوَّاغًا مِّنْ بَنِیْ قَیْنُقَاعَ اَنْ یَّرْتَحِلَ مَعِیَ فَنَاْتِیْ بِاِذْخِرٍ اَرَدْتُّ اَنْ اَبِیْعَہٗ مِنَ الصَّوَّاغِیْنَ وَاَسْتَعِیْنَ بِہٖ فِیْ وَلِیْمَةِ عُرْسِیْ (بخاری:کتاب البیوع، باب ما قیل فی الصواغ)

''جب میرا رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کرا کے لانے کا ارادہ ہوا تو میں نے بنی قینقاع کے ایک سنار سے طے کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے اور ہم اذخر گھاس (جمع کر کے) لے آئیں۔ کیونکہ میرا ارادہ یہ تھا کہ اسے سناروں کے ہاتھ بیچ کر اپنی شادی کے ولیمے میں اس کی رقم کو لگاؤں''۔

دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا معاملہ بھی اس سے مختلف نہیں تھا، جیسا کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کُنَّا تَاجِرَیْنِ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ ....

''ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تاجر تھے......''

(بخاری: کتاب البیوع، باب التجارة فی البز وغیرہ)

غرض تمام ہی کبار اور صغار صحابہ ﷺ حکم نبوی ﷺ کی روشنی میں اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کماتے تھے اور کسی ایک نے بھی دین کو کھانے کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے طرز عمل پر چلنے والے اپنی روزی محنت، تجارت اور دیگر حلال ذرائع استعمال کر کے حاصل کرتے ہیں۔ دین کو پیشہ بنانے والے نہ قرآن وحدیث پر چلتے ہیں نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقوشِ قدم پر۔ قرآن وحدیث کو چھوڑنے اور اس کی مخالفت کرنے والوں سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کی توقع ہی عبث ہے۔

نماز پڑھانے کی اجرت لینے کے لیے ایک بہانہ یہ بھی بنایا جاتا ہے کہ نماز پڑھانے کی اجرت نہیں لی جاتی بلکہ جائے متعینہ پر وقت دینے کی تنخواہ لی جاتی ہے۔ جائے متعینہ پر وقت دینے کی اجرت لینے کا بہانہ احمقانہ شوشہ ہے۔ وقت محض امام صاحب ہی نہیں دیتے نماز ادا کرنیوالے تمام ہی لوگ اقامت الصلوٰۃ کے لیے وقت دیتے ہیں۔ عبادت میں صرف ہونے والے وقت کو ''CASH'' کرانا عبادت نہیں، مزدوری ودکانداری ہے۔ درحقیقت عبادات اور طاعات پر اجرت وصول کرنے والوں کا آخرت اور آخرت میں ملنے والے اجر پر یقین ہی نہیں ہے اسی لیے تو یہ اس دنیا میں ملنے والے اجر پر اصرار کرتے ہیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جن کے متعلق مخبر صادق نبی ﷺ نے خبر دی تھی:

سَیَجِیْءُ اَقْوَامٌ یُّقِیْمُوْنَہٗ کَمَا یُقَامُ الْقِدْحُ یَتَعَجَّلُوْنَہٗ وَلَایَتَأَجَّلُوْنَہٗ

(ابوداؤد:کتاب الصلوٰۃ، باب مایجزئ الامی والاعجمی من القرآءۃ)

''عنقریب ایسی قومیں آئیں گی جو قرآن (کے زیر زبر) کو ایسے سیدھا کریں گی جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے، (لیکن) قرآن کے اجر میں جلدی کریں گی اور اس کو آخرت پر نہ رکھیں گی۔''

آخرت کے اجر کے لیے حکم دیا کہ

یَاأَھْلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ وَاتْلُوْہُ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ مِنْ اٰنَآءِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ، وَاَفْشُوْہُ وَتَغَنَّوْہُ وَ تَدَبَّرُوْا مَافِیْہِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ، وَلَاتُعَجِّلُوْا ثَوَابَہٗ ، فَاِنَّ لَہٗ ثَوَابًا (بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ: باب تلاوت القرآن)

''اے اہل قرآن! قرآن کو تکیہ نہ بناؤ، رات اور دن میں اس کی تلاوت کرو جیسا کہ اس کا حق ہے اور اس کو پھیلاؤ، اور اس کو خوش الحانی سے پڑھو، اور اس میں غور وفکر کرو تاکہ تم فلاح پاسکو، اور اس کے ثواب میں جلدی نہ کرو کیونکہ اس کا ثواب آخرت میں ہے۔''

اس آخرت کے اجر کے متعلق اللہ کی کتاب کہتی ہے:

وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

(سورۃ یوسف: ۵۶، ۵۷)

''اور ہم نیکو کاروں کے اجر ضائع نہیں کرتے اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے ان کے لیے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔''

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (النحل: ۴۱)

''اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے، کاش وہ (اسے) جانتے۔''

حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کی آخرت کے اجر سے متعلق دعا اس طرح آئی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْاَجْرَ اَجْرُ الْاٰخِرَةِ ''اے اللہ! اجر تو آخرت ہی کا اجر ہے۔''

(بخاری: کتاب المناقب، باب ہجرة النبی ﷺ و اصحابه)

مگر یہ بھی دراصل ان ہی کے لیے ہے جو ''لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ'' پر یقین رکھتے ہیں، نہ کہ ان کے لیے جو ان چندروزہ بہاروں ہی میں مست و مگن ہوں!

انسان آخرت طلبی کے جذبہ سے اللہ کے دین کو خالص کر کے دینی امور انجام دے اور اپنی معاش کے لیے حلال ذرائع کی کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ ہر جاندار کو رزق عطا فرماتا ہے۔ دین کے ذریعے دنیا کمانے میں مگن یہ بناوٹی دیندار دنیا کے بندے بنے ہوئے ہیں، دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں۔ ایمان والے اللہ کی خوشنودی اور آخرت سنوارنا چاہتے ہیں، ان کو آخرت کی جوابدہی پر پورا یقین ہے، وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا بھرپور بدلہ آخرت میں دے گا:

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (آل عمران: ۱۷۹)

''اور اگر ایمان لاؤ گے اور پرہیز گاری اختیار کرو گے تو تم کو اجر عظیم ملے گا۔''

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (المائدة: ۹)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل کی تھی تاکہ اس پر عمل کر کے آخرت کی بیش بہا نعمتوں کو حاصل کر سکیں، مگر ہوا یہ کہ اس قرآن کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیا گیا۔ قرآن جو راستہ بتاتا ہے ملاحظہ ہو:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

(بنی اسرائیل: ۹، ۱۰)

''یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور مومنوں کو، جو نیک عمل کرتے ہیں،

بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے اجر عظیم ہے۔ اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

حدیث میں آیا ہے کہ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ ''تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''

(بخاری: کتاب فضائل القرآن، باب خیرکم من......)

یہ خیر اور بہتری اسی صورت میں ممکن ہے جب خیر کو آخرت کے حصول کے لیے اٹھا رکھا جائے۔ دنیا میں چند ٹکوں کے عوض اسے بیچنے والے آخرت میں خیر پانے سے رہے۔ دین کے ذریعے دنیا کے طلبگاروں پر تو قرآن کا یہ اعلان صادق آتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (الشوریٰ: ۲۰)

''اور جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیں گے۔ اور جو دنیا ہی میں کھیتی طلب کرتا ہے تو ہم اس میں سے اس کو کچھ دیدیں گے مگر آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں۔''

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا (بنی اسرائیل: ۱۸)

''جو شخص دنیا کا خواہشمند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیدیتے ہیں، پھر اس کے لیے جہنم کو (ٹھکانہ) مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ نفرین سن کر اور راندہ درگاہ ہو کر داخل ہوگا۔''

قبل اس کے کہ نبضیں ڈوبنے لگیں، غیب شہود ہو جائے اور پھر باطل موقف پر جمے رہنے کا خمیازہ بھگتنا ناگزیر ہو جائے، اللہ تعالیٰ حق کو حق سمجھ کر مان لینے اور باطل کو باطل سمجھ کر اس سے الگ ہو جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

? ? ? ?

اہل ایمان کے لیے تو قرآن وسنت کا فیصلہ ہی کافی ہے، لیکن دین کو دکانداری بنا لینے والے مسلک پرست لوگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی پیش نظر رکھیں:

قَالَ وَلَا الْاِسْتِيْجَارَ عَلَى الْاَذَانِ وَالْحَجِّ وَ كَذَا الْاِمَامَةِ وَ تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَالْفِقَهِ وَالْاَصْلِ اِنْ كُلُّ طَاعَةٍ يُخْتَصُّ بِهَا الْمُسْلِمُ لَا يَجُوْزُ الْاِسْتِيْجَارَ عَلَيْهِ عِنْدَنَا

(الهداية: صفحه ۲۸۷)

''اذان، حج، اسی طرح امامت اور تعلیم قرآن وفقہ پر اجرت طلب کرنا جائز نہیں۔ درحقیقت ہر وہ عبادت جو مسلمان کے لیے مخصوص ہے، اس پر اجرت لینا ہمارے نزدیک جائز نہیں۔''